ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 1901

Program: BS Islamic Studies

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس :مقاصدِ شریعہ • (1901) سطح :بی ایس علومِ اسلامیہ

سمسٹر :خزاں2026

امتحانی مشق نمبر) 1 یونٹ 1 تا(5

کل نمبر 100 :کامیابی کے نمبر50 :

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

)مطالعہ و حوالہ کے لیے(

نوٹ :یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ یہاں پیش کیا گیا مواد نمونہ جواب ہے؛ اسے ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں، اور جہاں کسی شرعی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم و مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر :1 ارتداد کا شرعی و لغوی مفہوم، اس کے اظہار کے طریقے اور شرعی سزائیں 20)نمبر(

سوال نمبر1 ۔ ارتداد کا شرعی اور لغوی مفہوم کیا ہے؟ ارتداد کے اظہار کے مختلف طریقے کیا ہیں اور ان طریقوں کی شرعی سزاؤں کی تفصیل بیان کریں۔(20)

تعارف

مقاصدِ شریعہ کے مطالعے میں جن مباحث کو بنیادی حیثیت حاصل ہے ان میں سے ایک اہم بحث دین کی حفاظت ہے، جسے علماء نے مقاصدِ خمسہ میں سب سے پہلے رکھا ہے۔ اسی حفاظتِ دین کے باب میں ارتداد کا مسئلہ زیرِ بحث آتا ہے،

کیونکہ ارتداد سے مراد اسلام قبول کرنے کے بعد اس سے پھر جانا ہے۔ یہ موضوع خالصتاً علمی، فقہی اور اصولی نوعیت کا ہے، اس لیے اسے جذبات کے بجائے قرآن و سنت، اجماع اور فقہاء کے منظم استدلال کی روشنی میں سمجھنا چاہیے۔ اس جواب میں پہلے ارتداد کے لغوی اور شرعی مفہوم کی وضاحت کی جائے گی، پھر ان طریقوں کی تفصیل بیان ہوگی جن سے ارتداد کا اظہار ہوتا ہے، اور آخر میں کلاسیکی فقہ میں بیان کردہ سزاؤں، ان کی شرائط، استتابہ یعنی توبہ کا موقع دینے، اور فقہاء کے اختلاف کو منظم انداز میں پیش کیا جائے گا۔ ساتھ ہی یہ نکتہ بھی واضح رہے گا کہ ایسے احکام کا نفاذ کسی فرد یا گروہ کا کام نہیں، بلکہ یہ ہمیشہ سے باقاعدہ عدالت، ثبوت اور اہلِ اختیار کا دائرہ رہا ہے۔

ارتداد کا لغوی مفہوم

ارتداد عربی زبان کا لفظ ہے جو مادہ" ردّ "سے نکلا ہے۔ ردّ کے معنی لوٹانا واپس کرنا اور پھیر دینا ہیں۔ اسی مادے سے "ارتدّ یرتدّ ارتداداً "کا معنی ہے :کسی چیز سے واپس لوٹ جانا، پلٹ جانا اور پیچھے ہٹ جانا۔ قرآنِ مجید میں یہ لفظ اسی لغوی مفہوم میں استعمال ہوا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائیں، یعنی دین سے واپس لوٹ جائیں، وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ لغوی اعتبار سے ارتداد ہر اس رجوع اور واپسی کو کہتے ہیں جو کسی اختیار کردہ راستے، رائے یا طریقے سے ہو، خواہ وہ واپسی دین کے بارے میں ہو یا کسی اور معاملے میں۔ تاہم اصطلاحی استعمال میں یہ لفظ ایک خاص مفہوم میں محدود ہوگیا ہے، اور یہی شرعی مفہوم اس بحث کا اصل موضوع ہے۔ لغوی اور اصطلاحی مفہوم میں فرق سمجھنا اس لیے ضروری ہے کہ صرف لغوی معنی مراد لے لینے سے حکم کی پوری صورت واضح نہیں ہوتی۔

ارتداد کا شرعی و اصطلاحی مفہوم

شرعی اصطلاح میں ارتداد سے مراد یہ ہے کہ کوئی عاقل و بالغ مسلمان اپنے اختیار و ارادے سے، بغیر کسی جبر و اکراہ کے، اسلام سے خارج ہوجائے اور کفر اختیار کرلے، خواہ یہ خروج صریح قول سے ہو، فعل سے ہو یا کسی ایسے عقیدے سے جس کا کفر ہونا قطعی دلائل سے ثابت ہو۔ فقہاء کی تعریفات میں تقریباً یہی عناصر ملتے ہیں :پہلے اسلام کا ثابت ہونا، پھر عقل اور بلوغ، پھر اختیار، اور پھر ایسا قول، فعل یا اعتقاد جس سے کفر لازم آئے۔ اگر ان عناصر میں سے کوئی عنصر مفقود ہو، مثلاً انسان مجنون ہو، نابالغ ہو، یا اس پر جبر کیا گیا ہو، تو اس پر ارتداد کا حکم جاری نہیں ہوتا۔ اسی

طرح شک، وسوسے، غلط فہمی یا تاویل کی بنیاد پر کہے گئے کلام پر بھی فقہاء نے بڑی احتیاط برتنے کی تاکید کی ہے، کیونکہ مسلمان کی تکفیر ایک انتہائی سنگین معاملہ ہے جس میں ذرا سی بے احتیاطی بڑے فتنے کا سبب بن سکتی ہے۔

قرآنِ مجید نے ارتداد کے اخروی انجام کو واضح الفاظ میں بیان کیا ہے کہ جو شخص ایمان کے بعد کفر اختیار کرے اس کے اعمال ضائع ہوجاتے ہیں اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں ہوگا، البتہ جس نے توبہ کرلی اور اصلاح کرلی اس کے لیے اللہ کی مغفرت کا دروازہ کھلا ہے۔ اس سے یہ اصولی بات معلوم ہوتی ہے کہ ارتداد اصلاً ایمان و کفر کے تعلق کا مسئلہ ہے جس کا اصل فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہوگا، جب کہ اس کے دنیاوی فقہی احکام ایک الگ باب ہیں جنہیں فقہاء نے مخصوص شرائط اور مخصوص تاریخی و قانونی پس منظر میں بیان کیا ہے۔ طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان دونوں پہلوؤں، یعنی اخروی وعید اور دنیاوی فقہی احکام، کو آپس میں خلط ملط نہ کرے۔

ارتداد کے اظہار کے مختلف طریقے

فقہاء نے ارتداد کے اظہار کے طریقوں کو عموماً تین بڑی قسموں میں تقسیم کیا ہے :قولی ارتداد، فعلی ارتداد اور اعتقادی ارتداد۔ قولی ارتداد سے مراد زبان سے ایسا صریح کلمہ کہنا ہے جو قطعی طور پر کفر کا مفہوم رکھتا ہو، مثلاً اللہ تعالیٰ، اس کے رسول یا دین کی کسی قطعی اور ضروری معلوم چیز کا صریح انکار یا استہزا۔ فعلی ارتداد سے مراد ایسا عمل کرنا ہے جو بذاتِ خود کفر پر دلالت کرتا ہو، مثلاً قصداً بت کے سامنے سجدہ کرنا یا قرآنِ مجید کی قصداً توہین کرنا۔ اعتقادی ارتداد سے مراد دل میں ایسا عقیدہ رکھنا ہے جو اسلام کی قطعی تعلیمات کے خلاف ہو، اگرچہ اس کا اظہار قول یا فعل سے ہو تو ہی دنیاوی حکم کا تعلق پیدا ہوتا ہے۔ یہ تقسیم اس لیے اہم ہے کہ محض دل میں آنے والے وسوسے، خیالات اور شکوک ارتداد نہیں کہلاتے؛ حکم کا مدار ظاہر قول و فعل پر ہوتا ہے۔

ان طریقوں کی مزید درجہ بندی میں فقہاء نے صریح اور کنایہ کا فرق بھی ملحوظ رکھا ہے۔ صریح الفاظ وہ ہیں جن کا ایک ہی مفہوم ہو اور ان میں تاویل کی گنجائش نہ ہو؛ ایسے الفاظ میں نیت کی بحث عام طور پر نہیں ہوتی۔ کنایہ الفاظ وہ ہیں جن میں ایک سے زیادہ معانی کا احتمال ہو؛ ایسے مقامات پر کہنے والے کی نیت، قرائن اور سیاق و سباق کو دیکھا جاتا ہے۔ اسی احتیاط کی ایک بڑی مثال یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی کلام کے ننانوے پہلو کفر کی طرف جاتے ہوں اور ایک پہلو اسلام کی طرف جاتا ہو تو مفتی کو چاہیے کہ وہی پہلو اختیار کرے جو اسلام کی طرف جاتا ہے۔ یہ قاعدہ

بتاتا ہے کہ کلاسیکی فقہ کا مزاج تکفیر میں جلد بازی نہیں بلکہ انتہائی احتیاط، وسعتِ تاویل اور مسلمان کے ایمان کی حفاظت ہے۔ اس موضوع پر آخری اور مستند رائے کا اختیار ہر حال میں اہل و مستند علماء اور باقاعدہ عدالتی نظام کو حاصل ہوتا ہے۔

شرعی سزاؤں کی تفصیل :کلاسیکی فقہی موقف

اب سزاؤں کی طرف آئیے۔ قرآنِ مجید نے ارتداد پر دنیا میں کوئی متعین حد صراحتاً مقرر نہیں فرمائی بلکہ اصل زور اخروی انجام پر دیا ہے، البتہ احادیث میں اس باب میں مختلف وعیدیں اور روایات آئی ہیں جن کی بنیاد پر جمہور فقہاء نے قدیم قانونی نظام میں مرتد کے لیے دنیاوی سزا کی بحث کی ہے۔ اس بحث کی تفصیل بیان کرتے وقت تین بنیادی شرائط یاد رکھنا لازم ہے :اول، ارتداد کا قطعی اور بے شبہ ثبوت، جس میں گواہی اور باقاعدہ عدالتی کارروائی شامل ہے؛ دوم، مرتد کا عاقل، بالغ اور مختار ہونا؛ سوم، استتابہ، یعنی اسے توبہ کا موقع دینا اس کے شبہات دور کرنا اور اسے سمجھانے کی پوری کوشش کرنا۔ فقہاء کی ایک بڑی تعداد کے نزدیک استتابہ کے بغیر کوئی کارروائی درست نہیں، اور بعض کے نزدیک اس کی مدت تین دن تک توبہ کی مہلت دینا ہے۔ توبہ کر لینے کی صورت میں دنیاوی سزا ساقط ہوجاتی ہے، کیونکہ سزا کا مقصد اصلاح اور دین کی حفاظت ہے، انتقام نہیں۔

مذاہبِ فقہیہ میں اس سزا کی تفصیلات میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے جسے طالب علم کو ایمانداری سے نوٹ کرنا چاہیے۔ جمہور یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک قدیم نظام میں بالغ مرد مرتد استتابہ کے بعد توبہ نہ کرے تو اس کے لیے قتل کی سزا بیان ہوئی ہے، جب کہ فقہِ حنفی میں عورت مرتدہ کے لیے قتل کے بجائے قید اور تادیب کا حکم بیان ہوا ہے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک عورت کے ارتداد میں وہ جنگی پہلو نہیں پایا جاتا جو اس سزا کی علت سمجھا گیا تھا۔ بعض علماء نے ارتداد کی سزا کو حد کے بجائے تعزیر اور سیاسی قانونی اقدام کے طور پر بھی دیکھا ہے، خاص طور پر اس تاریخی پس منظر میں جب ارتداد عموماً بغاوت اور مسلح اعلانِ جنگ کے ساتھ جڑا ہوتا تھا۔ اس اختلاف سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ ایک علمی فقہی بحث ہے جس میں مختلف مکاتبِ فکر کے دلائل موجود ہیں؛ لہٰذا آج کے طالب علم کو اسے کسی ایک جذباتی نعرے کے طور پر نہیں بلکہ مکمل علمی تناظر میں پڑھنا چاہیے، اور عملی و قانونی امور ہمیشہ ریاست کے قانون، عدالتوں اور مستند علماء کے دائرے میں رہتے ہیں۔

سزا کے نفاذ کا اختیار اور احتیاطی اصول

ایک اصولی نکتہ یہ ہے کہ حدود و تعزیرات کا نفاذ کبھی انفرادی اختیار نہیں رہا۔ اسلامی فقہ کے متفقہ اصول کے مطابق سزاؤں کا نفاذ صرف حاکمِ وقت، قاضی اور باقاعدہ عدالتی نظام کا حق ہے؛ کوئی فرد، جماعت یا گروہ ذاتی طور پر کسی کو سزا نہیں دے سکتا، اور ذاتی کارروائی بذاتِ خود جرم و فساد شمار ہوتی ہے۔ اسی طرح شبہ کی موجودگی میں حد ساقط ہوجاتی ہے، کیونکہ مشہور قاعدہ ہے کہ حدود کو شبہات کی وجہ سے ٹال دیا جائے۔ تکفیر اور ارتداد کے فیصلے میں عالمِ دین کی اہلیت، گواہوں کی عدالت، دلیل کی قطعیت اور ملزم کو صفائی کا پورا موقع دینا لازم سمجھا گیا ہے۔ ان احتیاطوں کا مقصد یہی ہے کہ دین کی حفاظت کے نام پر ظلم یا فتنہ پیدا نہ ہو، کیونکہ شریعت کے مقاصد میں جان کی حفاظت بھی اسی طرح بنیادی ہے جیسے دین کی حفاظت۔ مقاصدِ شریعہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو اصل ہدف معاشرے میں ایمان، امن اور انصاف کا قیام ہے، اور یہ ہدف قانون کی حکمرانی ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ ارتداد لغوی طور پر لوٹ جانے کو اور شرعی طور پر اسلام کے بعد اختیار و ارادے کے ساتھ کفر اختیار کرنے کو کہتے ہیں۔ اس کا اظہار قول، فعل اور اعتقاد تینوں طریقوں سے ہوسکتا ہے، لیکن حکم کا اطلاق صراحت، قطعیت اور بے شبہ ثبوت پر موقوف ہے، اور وسوسہ، جبر، جہل اور تاویل مانعِ حکم ہیں۔ کلاسیکی فقہ میں جمہور نے قدیم قانونی نظام میں استتابہ کے بعد اس کی دنیاوی سزا بیان کی ہے، فقہِ حنفی میں عورت کے باب میں فرق ہے، اور بعض علماء نے اسے بغاوت سے جڑی تعزیری سزا قرار دیا ہے۔ ان تمام مباحث کا عملی نفاذ صرف باقاعدہ عدالت اور اہلِ اختیار کا حق ہے۔ طالب علم کے لیے اس موضوع کا صحیح علمی فائدہ یہی ہے کہ وہ حفاظتِ دین کے مقصد، تکفیر میں احتیاط کے اصول اور قانون کی حکمرانی کی اہمیت کو یکجا سمجھے، اور کسی معاملے میں حتمی رائے کے لیے مستند علماء سے رجوع کرے۔

سوال نمبر :2 بدعت کا مفہوم، اس کی انواع و اقسام، شرعی احکام اور اثرات 20) نمبر(

سوال نمبر2 ۔ بدعت کا مفہوم کیا ہے؟ بدعت کی انواع اور اقسام کون سی ہیں؟ بدعت کے شرعی احکام اور اس کے اثرات پر مفصل نوٹ لکھیں۔(20)

تعارف

دین کی حفاظت اسی وقت ممکن ہے جب دین اپنی اصل صورت میں باقی رہے، یعنی اس میں نہ کمی کی جائے اور نہ اپنی طرف سے اضافہ۔ بدعت کی بحث اسی تناظر میں آتی ہے :بدعت دین میں ایسی نئی چیز داخل کرنے کا نام ہے جس کی اصل قرآن و سنت میں موجود نہ ہو اور اسے دین سمجھ کر اختیار کیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبے میں فرمایا کہ ہر نئی ایجاد کردہ چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے جس سے اس مسئلے کی سنگینی ظاہر ہوتی ہے۔ دوسری طرف روزمرہ زندگی کی دنیاوی ایجادات، مثلاً نئی ٹیکنالوجی، تعلیمی وسائل اور انتظامی طریقے، بدعتِ شرعی کے مفہوم میں داخل نہیں، کیونکہ ان کا تعلق عبادت اور دین کے ثوابت سے نہیں۔ اس جواب میں بدعت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم، علماء کی تعریفات، اس کی انواع و اقسام، اس کا شرعی حکم اور فرد و معاشرے پر اس کے اثرات تفصیل سے بیان کیے جائیں گے، تاکہ طالب علم افراط و تفریط سے بچ کر متوازن علمی موقف اختیار کرسکے۔

بدعت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

لغوی طور پر بدعت" بدع "سے ہے جس کے معنی بغیر سابقہ نمونے کے کوئی چیز ایجاد کرنا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو" بدیع السماوات والارض "کہا گیا ہے، یعنی آسمانوں اور زمین کو بغیر نمونے کے پیدا کرنے والا۔ لیکن شرعی اصطلاح میں بدعت کی تعریف امام شاطبی نے" الاعتصام "میں یوں کی ہے کہ یہ دین میں ایجاد کیا ہوا ایسا طریقہ ہے جو شریعت کے طریقے سے مشابہت رکھتا ہو اور جس کے اختیار کرنے سے مقصود وہی ہو جو شریعت کے طریقے سے مقصود ہوتا ہے، یعنی اللہ کی قربت کا حصول۔ اس تعریف کے اہم عناصر یہ ہیں :اول، چیز دین کے نام پر ہو؛ دوم، اس کی کوئی اصل شرعی دلیل میں موجود نہ ہو؛ سوم، اسے اس طرح لازم پکڑا جائے گویا وہ دین کا حکم ہے۔ جو دنیاوی کام محض عادت یا ضرورت کے

تحت ہو اور اسے عبادت کا درجہ نہ دیا جائے، وہ اس تعریف سے خارج ہے۔ یہی فرق نہ سمجھنے سے اکثر گفتگو میں غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔

بدعت کی انواع و اقسام

علماء نے بدعت کی کئی اعتبار سے تقسیم کی ہے۔ پہلی تقسیم وقوع کے اعتبار سے ہے: بدعتِ حقیقی وہ ہے جس کی کوئی اصل شریعت میں بالکل موجود نہ ہو، اور بدعتِ اضافی وہ ہے جس کی ایک جہت سے اصل موجود ہو لیکن کیفیت، مقدار، وقت یا پابندی کے اعتبار سے اس میں اضافہ کر لیا جائے۔ دوسری تقسیم محل کے اعتبار سے ہے: بدعتِ اعتقادی، یعنی عقائد میں خود ساختہ اضافے؛ بدعتِ عملی، یعنی عبادات کی صورتوں، اذکار کی مخصوص گنتیوں، یا خاص ایام و رسوم کو شرعی لازم سمجھ لینا۔ تیسری تقسیم حکم کے اعتبار سے ہے: بعض علماء، خصوصاً امام عز بن عبد السلام اور امام نووی کی تقسیم میں، بدعت کی پانچ قسمیں بیان ہوئی ہیں: واجب، مثلاً صرف و نحو کی تدوین تاکہ قرآن سمجھا جاسکے؛ مندوب، مثلاً مدارس و کتب کی اشاعت؛ مباح، مثلاً کھانے پینے کی نئی صورتیں؛ مکروہ اور حرام۔ ان کے مقابل جمہور محققین کی رائے یہ ہے کہ شرعی بدعت اصطلاحاً ہمیشہ مذموم ہے، اور جن چیزوں کو بدعتِ حسنہ کہا گیا وہ درحقیقت لغوی بدعت ہیں یا ان کی اصل شریعت کے عمومی اصولوں میں موجود ہے۔ یہ علمی اختلاف سیاق کے ساتھ سمجھنا ضروری ہے تاکہ کسی مکتب کو غلط طور پر پیش نہ کیا جائے۔

بدعت کی پہچان کے لیے علماء نے کچھ علامات بھی بیان کی ہیں: کسی ایسے عمل کو ہمیشہ لازم پکڑنا جسے شریعت نے لازم نہ کیا ہو؛ کسی خاص دن، مہینے یا کیفیت کو عبادت کے لیے اس طرح مخصوص کرنا کہ ترک کرنے والے کو ملامت کی جائے؛ سنتِ ثابتہ کو چھوڑ کر غیر ثابت عمل پر زیادہ زور دینا؛ اور دین کے نام پر ایسی رسومات جاری کرنا جن سے فرقہ واریت اور انتشار بڑھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی باجماعت صورت کو "نعمت البدعة" کہا، جسے علماء لغوی بدعت کی مثال قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کی اصل، یعنی قیامِ رمضان، سنت سے ثابت تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نئی انتظامی صورت اور شرعی بدعت میں فرق کرنا ہی اصل علمی مہارت ہے، اور یہ فرق کتاب و سنت کو اصل ماخذ ماننے سے پیدا ہوتا ہے۔

بدعت کا شرعی حکم

شرعی حکم کے اعتبار سے وہ بدعت جو دین میں عبادت یا عقیدے کے طور پر داخل کی جائے اور جس کی کوئی شرعی اصل نہ ہو، ناجائز اور مردود ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز نکالی جو اس میں سے نہیں تو وہ رد ہے، اور جس نے ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں وہ بھی مردود ہے۔ اس حکم کی حکمت یہ ہے کہ دین مکمل ہوچکا ہے؛ قرآن نے فرمایا کہ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کردیا، لہٰذا اب کسی اضافے کی نہ گنجائش ہے نہ ضرورت۔ البتہ حکم کا اطلاق کرتے وقت دو احتیاطیں ضروری ہیں :پہلی یہ کہ ہر اختلافی مسئلے کو بدعت کہہ دینا درست نہیں، کیونکہ فقہی اختلافات کی بنیاد دلائل کی فہم پر ہوتی ہے اور ایسے مسائل میں ایک دوسرے پر بدعت کا فتویٰ لگانا علمی آداب کے خلاف ہے؛ دوسری یہ کہ اصلاح کا طریقہ بھی شریعت کے مطابق، یعنی حکمت، نرمی اور دلیل کے ساتھ ہو، نہ کہ تشدد اور بداخلاقی کے ساتھ۔ بدعت کا رد علم و عمل سے ہوتا ہے :سنت کو زندہ کرنا، عوام کو دلیل کی طرف لے جانا، اور خود نمونہ بننا۔ اسی لیے کہا گیا کہ سنت کا احیا ہی بدعت کا حقیقی خاتمہ ہے۔

بدعت کے اثرات

بدعت کے اثرات فرد اور معاشرے دونوں پر گہرے پڑتے ہیں۔ سب سے پہلا اثر اعتقادی ہے :انسان آہستہ آہستہ دین کی اصل شکل سے دور ہوتا چلا جاتا ہے اور خود ساختہ اعمال کو اصل دین سمجھنے لگتا ہے۔ دوسرا اثر عبادت کے میدان میں ظاہر ہوتا ہے :سنت پر عمل کی توفیق کمزور پڑجاتی ہے کیونکہ وقت، مال اور توانائی غیر ثابت اعمال پر صرف ہوتی ہے۔ حدیث کے مفہوم کے مطابق جو قوم بدعت نکالتی ہے اس سے اسی قدر سنت اٹھا لی جاتی ہے۔ تیسرا اثر معاشرتی ہے :بدعات رسوم کی صورت اختیار کرکے خاندانوں پر مالی بوجھ بن جاتی ہیں، دکھاوا اور ریا پیدا ہوتا ہے، اور رسم پر اختلاف سے لڑائی جھگڑے اور فرقہ بندی پیدا ہوتی ہے۔ چوتھا اثر علمی ہے :تحقیق اور دلیل کی جگہ تقلید و رسم پرستی آجاتی ہے اور علم کا مزاج ختم ہوجاتا ہے۔ پانچواں اثر نفسیاتی تسکین کا ہے :انسان کم محنت والے رسم و رواج سے مطمئن ہوکر فرائض و سنن کی اصل محنت سے غافل ہوجاتا ہے۔ ان اثرات کا تدارک اسی صورت ممکن ہے کہ ہر عمل سے پہلے یہ سوال عادت بنایا جائے کہ اس کی دلیل کیا ہے، اور جس عمل کی دلیل نہ ملے اسے دین کا نام نہ دیا جائے۔

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ بدعت دین میں بغیر شرعی اصل کے ایجاد کیا ہوا وہ طریقہ ہے جسے عبادت اور قربتِ الٰہی کا ذریعہ سمجھا جائے۔ اس کی قسمیں حقیقی و اضافی، اعتقادی و عملی کے اعتبار سے سمجھی جاتی ہیں اور بعض علماء نے حکم کے اعتبار سے بھی اس کی تقسیم کی ہے، جب کہ جمہور کے نزدیک شرعی بدعت مذموم و مردود ہے۔ اس کے اثرات عقیدے کی بگاڑ، سنت کی کمزوری، معاشرتی انتشار اور علمی جمود کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ دین کی حفاظت کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ عقیدہ و عبادت میں کتاب و سنت کو آخری سند مانا جائے، دنیاوی امور میں جائز وسائل سے فائدہ اٹھایا جائے، فقہی اختلافات کو علمی ادب کے دائرے میں رکھا جائے، اور اصلاح کے لیے حکمت و دلیل کا راستہ اختیار کیا جائے۔ یہی متوازن رویہ مقاصدِ شریعہ میں حفاظتِ دین کا تقاضا ہے۔

سوال نمبر :3 تحفظِ نفس، تحفظِ عقل اور تحفظِ مال کی اہمیت اور مصالحِ ضروریہ (نمبر20)

سوال نمبر3 ۔ تحفظِ نفس) جان کی حفاظت(، تحفظِ عقل) عقل کی حفاظت (اور تحفظِ مال) مال کی حفاظت (کی اہمیت اور شریعت میں ان مصالحِ ضروریہ کے حوالے سے تفصیلی وضاحت کریں۔(20)

تعارف

امام غزالی اور امام شاطبی سمیت مقاصدِ شریعہ کے علماء نے تصریح کی ہے کہ شریعت کے تمام احکام بندوں کے مصالح کی رعایت پر مبنی ہیں اور یہ مصالح پانچ بنیادی ضرورتوں کی حفاظت میں سمٹ آتے ہیں :دین، نفس، عقل، نسل اور مال۔ انہیں" ضروریاتِ خمسہ "یا" مصالحِ ضروریہ "کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کے بغیر انسانی زندگی کا نظام قائم نہیں رہ سکتا اور دنیا و آخرت کا فساد لازم آتا ہے۔ اس سوال میں ان پانچ میں سے تین، یعنی تحفظِ نفس، تحفظِ عقل اور تحفظِ مال، کی اہمیت اور ان کے لیے شریعت کے احکام کی تفصیل مطلوب ہے۔ یہ تینوں مصالح باہم جڑے ہوئے ہیں :جان ہوگی تو عقل کام کرے گی، عقل سلامت ہوگی تو مال کی کمائی، حفاظت اور درست استعمال ممکن ہوگا، اور مال ہوگا تو زندگی کی ضرورتیں پوری ہوں گی۔ ذیل میں پہلے مصالحِ ضروریہ کا اجمالی فریم پیش کیا جائے گا، پھر ہر ایک مصلحت کی

اہمیت، اس کے مثبت پہلو یعنی اسے حاصل و برقرار رکھنے کے احکام، اور منفی پہلو یعنی اسے نقصان پہنچانے والی چیزوں کی ممانعت بیان ہوگی۔

جدول :تین مصالحِ ضروریہ اور ان کے تحفظ کے بنیادی ذرائع

منفی تحفظ) موانع کی ممانعت(	مثبت تحفظ) حصول و بقا(	مصلحت
قتل، خودکشی اور مہلک نقصان کی حرمت	غذا، علاج، امن اور قصاص و دیت کا نظام	نفس) جان(
شراب اور ہر نشہ آور شے کی حرمت	تعلیم، غور و فکر اور علم کی ترغیب	عقل
چوری، سود، رشوت، غصب اور اسراف کی ممانعت	کسبِ حلال، تجارت اور مدینہ کا احترام	مال

USMAN NOTES www.usmannotes.com

تحفظِ نفس :اہمیت

انسانی جان شریعت کی نگاہ میں انتہائی محترم ہے۔ قرآنِ مجید نے ایک بے گناہ انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے برابر قرار دیا اور ایک جان بچانے کو ساری انسانیت کو زندہ کرنے کے مترادف کہا۔ زندگی اللہ کی امانت ہے؛ انسان نہ اپنی جان کا مالک ہے کہ خودکشی کرے، نہ دوسرے کی جان کا کہ ناحق قتل کرے۔ اسی اہمیت کی وجہ سے قصاص کو قرآن نے" زندگی "کہا ہے، یعنی قصاص کا قانون بظاہر سزا نظر آتا ہے لیکن فی الحقیقت یہ جانیں بچانے کا نظام ہے، کیونکہ قاتل کو معلوم ہو کہ اسے بھی اسی انجام سے دوچار ہونا پڑے گا تو وہ قتل سے باز رہے گا۔ جان کی حفاظت کا مطلب صرف قتل سے بچانا نہیں بلکہ وہ تمام اسباب فراہم کرنا ہے جن سے زندگی برقرار رہے :خوراک، پناہ، علاج، امن و امان اور خطرناک حالات میں رخصتوں کی رعایت۔ یہی وجہ ہے کہ اضطراری حالت میں، جان بچانے کے لیے، حرام چیز بقدرِ ضرورت استعمال کی اجازت دی گئی، کیونکہ جان کی حفاظت ظاہری حرمت پر مقدم ہے۔

تحفظِ نفس کے شرعی احکام

تحفظِ نفس کے لیے شریعت نے مثبت اور منفی دونوں نوعیت کے احکام دیے ہیں۔ منفی پہلو یہ ہے کہ قتلِ ناحق کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا، خودکشی حرام قرار دی گئی، حمل کو بلا عذر ضائع کرنا ممنوع ہوا، اور ایسے تمام کاموں سے روکا گیا جو جان کے لیے سببِ ہلاکت بنیں۔ مثبت پہلو میں قصاص، دیت اور کفارے کا نظام ہے :اگر قتل واقع ہوجائے تو قاتل کے لیے قصاص یا دیت کا حکم ہے تاکہ مقتول کے خون کی قیمت معلوم ہو اور معاشرے میں جان سستی نہ سمجھی جائے۔ اسی طرح بیمار کے علاج کی ترغیب، حادثات سے حفاظت، اور سڑک و سفر کے آداب بھی اسی مصلحت کے تحت آتے ہیں۔ فقہاء نے یہ بھی طے کیا ہے کہ اپنا دفاع کرتے ہوئے اگر کوئی شخص حملہ آور کو روکے تو اس کی اپنی جان کی حفاظت شرعی حق ہے۔ عصرِ حاضر میں صحتِ عامہ، ٹریفک قوانین کی پابندی اور نشہ آور اشیا سے بچاؤ کو بھی اسی مقصد کا حصہ سمجھا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ سب جان کے تحفظ کے وسائل ہیں۔

تحفظِ عقل :اہمیت

عقل انسان کو حیوان سے ممتاز کرنے والی سب سے بڑی نعمت ہے۔ یہی عقل تکلیف کا مدار ہے :جس کی عقل زائل ہوجائے اس پر شرعی احکام کی پابندی بھی ساقط ہوجاتی ہے۔ عقل ہی ذریعہ ہے علم، ایمان، غور و فکر، تدبیر اور تمدن کی ترقی کا۔ قرآنِ مجید نے بار بار" تعقلون "اور" یتفکرون "کہہ کر عقل کے استعمال کی دعوت دی اور ان لوگوں کی مذمت کی جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ ایسی قیمتی صلاحیت کی حفاظت مقاصدِ شریعہ میں شامل ہونا بالکل فطری ہے، کیونکہ عقل بگڑ جائے تو دین کی سمجھ، جان کی حفاظت اور مال کی تدبیر سب متاثر ہوجاتے ہیں۔ نشے کی حالت میں انسان نماز کے قریب جانے سے روکا گیا کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؛ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شریعت عبادت تک کو عقل کی موجودگی سے جوڑتی ہے۔ آج کے دور میں عقل کی حفاظت کا تقاضا ہے کہ ذہنی صحت کا خیال رکھا جائے، ایسی اشیا و عادات سے بچا جائے جو نشے یا لت کی طرف لے جائیں، اور تعلیم و مطالعے سے عقل کو مسلسل استعمال میں رکھا جائے۔

تحفظِ عقل کے شرعی احکام

شراب اور ہر مسکر یعنی نشہ آور چیز کی حرمت تحفظِ عقل کا سب سے واضح حکم ہے۔ قرآن نے شراب اور جوئے کو شیطانی عمل قرار دے کر ان سے اجتناب کا حکم دیا اور بتدریج اس کی حرمتِ قطعی نازل ہوئی۔ حدیث میں ہر نشہ آور چیز کو حرام کہا گیا، خواہ وہ کسی بھی صورت میں ہو، اسی لیے جدید نشہ آور ادویات و منشیات بھی اس حکم کے تحت آتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے ساتھ جڑے تمام کرداروں پر لعنت فرمائی، جس سے اس برائی کی جڑیں کاٹنے کی حکمت ظاہر ہوتی ہے۔ مثبت پہلو سے علم کی فرضیت، قرآن میں تدبر کی ترغیب، اور جہل کی مذمت ہے؛ شریعت چاہتی ہے کہ عقل صرف محفوظ نہ رہے بلکہ پروان بھی چڑھے۔ اسی لیے بچوں کی تعلیم، اساتذہ کا احترام اور مجالسِ علم کی فضیلت بیان ہوئی۔ یہاں یہ نکتہ بھی اہم ہے کہ عقل کی حفاظت میں وہ ذہنی دباؤ، پروپیگنڈا اور غلط معلومات بھی رکاوٹ بنتی ہیں جو انسان کی آزاد سوچ ختم کردیں؛ لہٰذا کے دور میں خبر کی تحقیق کا قرآنی حکم، یعنی فاسق کی خبر کی تصدیق کرنا، عقل ہی کے تحفظ کی ایک صورت ہے۔

تحفظِ مال :اہمیت اور احکام

مال انسانی زندگی کے قیام کا ذریعہ ہے؛ قرآن نے اسے" قیاماً "کہا ہے، یعنی جس پر زندگی کا نظام کھڑا ہوتا ہے۔ مال سے خوراک، لباس، رہائش، تعلیم، علاج اور صدقہ و خیرات سب ممکن ہوتے ہیں، اس لیے مال کی حفاظت بھی ضروریات میں شامل ہے۔ شریعت نے ایک طرف کسبِ حلال کی ترغیب دی، تجارت کو پسند کیا، زراعت و صنعت کو انسان کی ضرورت قرار دیا، اور نماز کے بعد زمین میں پھیل کر اللہ کا فضل تلاش کرنے کا حکم دیا؛ دوسری طرف مال کے حصول و تصرف کے ناجائز طریقے بند کردیے :چوری پر حد مقرر ہوئی بشرطیکہ نصاب، حرز اور دیگر شرائط پوری ہوں اور کوئی شبہ نہ ہو؛ سود حرام ہوا کیونکہ یہ بغیر محنت کے مال بڑھاتا اور معاشرتی استحصال پیدا کرتا ہے؛ رشوت، دھوکا، ناپ تول میں کمی، غصب و خیانت اور جوئے کی ممانعت ہوئی۔ مال کے خرچ میں بھی توازن رکھا گیا :اسراف بھی مذموم اور بخل بھی۔ زکاۃ، صدقات اور وراثت کا نظام مال کو چند ہاتھوں میں سمٹنے سے روکتا ہے، اور وقف کا ادارہ مال کو دائمی خیر میں بدل دیتا ہے۔ اس طرح تحفظِ مال کا مطلب مال کو محض جمع کرنا نہیں بلکہ اس کے حصول، بقا اور گردش تینوں کو عدل پر قائم رکھنا ہے۔

تینوں مصالح کا باہمی تعلق اور نتیجہ

یہ تینوں مصالح ایک زنجیر کی کڑیاں ہیں۔ جان کی حفاظت عقل کے بغیر ادھوری ہے کیونکہ بے عقلی جان کو خطرے میں ڈالتی ہے، عقل کی حفاظت مال کے نظم سے جڑی ہے کیونکہ نشہ اور استحصال اکثر مال کی ہوس سے پیدا ہوتے ہیں، اور مال کا تحفظ جان و عقل دونوں کی خدمت کرتا ہے۔ معاشرے میں جب یہ مصالح مجروح ہوں تو فساد پھیلتا ہے : قاتل بے خوف ہوں تو زندگیاں ختم، نشہ عام ہو تو خاندان ٹوٹتے ہیں، اور لوٹ کھسوٹ عام ہو تو معیشت تباہ ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جہاں شریعت کے یہ احکام زندہ ہوں وہاں امن، صحت اور خوشحالی کے اسباب جمع ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ تحفظِ نفس، تحفظِ عقل اور تحفظِ مال مصالحِ ضروریہ کے وہ ستون ہیں جن پر انسانی زندگی کا ڈھانچا کھڑا ہے۔ شریعت نے ان میں سے ہر ایک کے لیے حصول و بقا کے مثبت احکام بھی دیے ہیں اور نقصان پہنچانے والے اسباب کی ممانعت بھی کردی ہے، اور یہی دو طرفہ حفاظت مقاصدِ شریعہ کی عملی صورت ہے جسے طالب علم کو اپنی زندگی اور معاشرے میں سمجھ کر دیکھنا چاہیے۔

سوال نمبر :4 شریعت کا مفہوم، بنیادی خصوصیات اور قانونی، معاشرتی و اخلاقی پہلو (نمبر20)

سوال نمبر4 ۔ شریعت کا مفہوم اور اس کی بنیادی خصوصیات کیا ہیں؟ شریعتِ اسلامیہ کے قانونی، معاشرتی اور اخلاقی پہلوؤں پر جامع روشنی ڈالیں۔(20)

تعارف

شریعت اسلامی نظامِ زندگی کا بنیادی تصور ہے۔ مقاصدِ شریعہ کا سارا علم اسی وقت سمجھ میں آتا ہے جب" شریعت " کا مفہوم، اس کی خصوصیات اور اس کے مختلف پہلو واضح ہوں۔ آج عام گفتگو میں شریعت کا لفظ اکثر صرف سزاؤں کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، حالانکہ یہ اس کے وسیع مفہوم کا ایک بہت چھوٹا حصہ ہے۔ شریعت عقائد، عبادات، اخلاق، معاملات، معاشرت اور قانون سب کو محیط ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس جواب میں پہلے شریعت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم بیان کیا جائے گا، پھر اس کی بنیادی خصوصیات، یعنی ربانی ہونا، جامعیت، عالمگیریت، واقعیت،

توازن و اعتدال اور خاتمیت و دوام، کی وضاحت ہوگی، اور آخر میں اس کے قانونی، معاشرتی اور اخلاقی پہلوؤں پر جامع روشنی ڈالی جائے گی، تاکہ یہ حقیقت واضح ہو کہ شریعت کا مقصود انسان کی دنیوی و اخروی فلاح ہے۔

شریعت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

لغوی طور پر شریعت عربی لفظ ہے جس کے معنی پانی تک پہنچنے کا واضح راستہ یا گھاٹ ہیں۔ چونکہ پانی زندگی کا سرچشمہ ہے اور گھاٹ تک پہنچنے والا سیراب ہوتا ہے، اسی مناسبت سے دین کے واضح راستے کو شریعت کہا گیا کہ اس پر چل کر انسان زندگی کی حقیقی سیرابی پاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہوا کہ پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک واضح راستے، یعنی شریعت، پر قائم کردیا، پس اسی کی پیروی کیجیے۔ اصطلاح میں شریعت سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ وہ تمام احکام ہیں جو عقائد، عبادات، اخلاق، معاملات اور اجتماعی زندگی سے متعلق ہوں اور جن کا ماخذ قرآن و سنت ہو۔ بعض علماء شریعت اور فقہ میں فرق کرتے ہیں: شریعت اصل وحی ہے جو معصوم اور قطعی ہے، جب کہ فقہ اس وحی سے احکام سمجھنے کی انسانی کوشش ہے جس میں اجتہاد اور اختلاف کی گنجائش رہتی ہے۔ یہ فرق اہم ہے کیونکہ اس سے شریعت کا احترام بھی قائم رہتا ہے اور فقہی اختلاف کو برداشت کرنے کا سلیقہ بھی پیدا ہوتا ہے۔

شریعت کی بنیادی خصوصیات: ربانی، جامع اور عالمگیر ہونا

شریعت کی پہلی خصوصیت ربانیت ہے، یعنی اس کا سرچشمہ انسانی خواہش یا طبقاتی مفاد نہیں بلکہ خالقِ کائنات کی وحی ہے۔ اسی لیے اس میں کسی قوم، نسل یا طبقے کی جانبداری نہیں، اور اس کے احکام سے بادشاہ و رعایا سب یکساں مخاطب ہیں۔ دوسری خصوصیت جامعیت ہے: شریعت زندگی کے کسی شعبے کو خالی نہیں چھوڑتی؛ عقیدے سے عبادت تک، تجارت سے نکاح تک، اخلاق سے سیاست تک ہر جگہ اس کی رہنمائی موجود ہے۔ تیسری خصوصیت عالمگیریت اور خاتمیت ہے: یہ کسی ایک قوم یا دور کے لیے نہیں بلکہ قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے ہے، کیونکہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام جہانوں کے لیے رحمت ہے۔ ان خصوصیات کا تقاضا ہے کہ شریعت کو چند رسوم یا چند سزاؤں کا نام سمجھنے کے بجائے ایک زندہ اخلاقی و قانونی نظام کے طور پر دیکھا جائے جس کا مرکز انسان کی فلاح ہے۔

واقعیت، توازن اور آسانی پسندی

شریعت کی چوتھی خصوصیت واقعیت ہے :اس کے احکام انسانی فطرت اور اس کی استطاعت کے عین مطابق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی وسعت سے بڑھ کر مکلف نہیں کرتا؛ بیماری، سفر اور اضطرار کی حالتوں میں رخصتیں اسی واقعیت کا ثبوت ہیں۔ پانچویں خصوصیت توازن و اعتدال ہے :شریعت نہ رہبانیت سکھاتی ہے نہ مادہ پرستی؛ روح و جسم، دنیا و آخرت، فرد و اجتماع، حقوق اللہ و حقوق العباد کے درمیان متوازن راستہ دیتی ہے اور امت کو" امتِ وسط "قرار دیتی ہے۔ چھٹی خصوصیت تدریج اور آسانی ہے :شراب کی حرمت جیسے احکام مرحلہ وار نازل ہوئے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین آسان ہے اور دین میں آسانی پیدا کرنے کی ترغیب دی گئی۔ ساتھ ہی شریعت میں ثبات اور تغیر کا حسین امتزاج ہے :اصول و مقاصد ہمیشہ ثابت رہتے ہیں جب کہ وسائل و ذرائع زمانے کے مطابق بدلتے رہتے ہیں، اور اسی لچک نے اسے ہر دور میں قابلِ عمل رکھا ہے۔

شریعت کا قانونی پہلو

قانونی پہلو سے شریعت ایک منظم نظام ہے جس میں عبادات کے علاوہ دیوانی، فوجداری، خاندانی اور مالی قوانین شامل ہیں۔ اس کی بنیادیں قرآن، سنت، اجماع اور قیاس ہیں، اور اسی علم کو اصولِ فقہ کہا جاتا ہے۔ قانونی پہلو کی نمایاں باتیں یہ ہیں :قانون کی حکمرانی، یعنی شریعت میں حاکم خود بھی قانون کا پابند ہے؛ عدل کا لازمی تصور، حتیٰ کہ دشمن کے ساتھ بھی انصاف کا حکم؛ جرم اور سزا میں تناسب اور ثبوت کی سخت شرائط؛ اور حدود، قصاص و تعزیرات کا محدود و مخصوص دائرہ جو درحقیقت اس نظام کا بہت چھوٹا حصہ ہے، جب کہ اس کا بڑا حصہ دیوانی اور خاندانی قوانین، گواہی، معاہدات، امانت اور دستاویزات پر مشتمل ہے۔ قرآن نے سب سے طویل آیت قرض کی دستاویز اور گواہی کے بارے میں نازل کی، جو اس نظام کی قانونی سنجیدگی کو ظاہر کرتا ہے۔ جدید دور میں شریعت کے قانونی اصول، مثلاً معاہدے کی پابندی، نقصان کا ازالہ اور غیر یقینی سودے کی ممانعت، اسلامی مالیات کی صورت میں دنیا بھر میں رائج ہیں۔

شریعت کا معاشرتی پہلو

معاشرتی پہلو میں شریعت فرد کو خاندان، محلے، برادری اور امت کے ساتھ جوڑتی ہے۔ خاندان کو معاشرے کی بنیادی اکائی قرار دے کر نکاح، والدین کے حقوق، اولاد کی تربیت اور صلہ رحمی کے احکام دیے گئے۔ سماجی عدل کے لیے زکاۃ، صدقات، وقف اور کفالتِ یتیم جیسے ادارے قائم ہوئے تاکہ دولت گردش میں رہے اور کوئی طبقہ محرومی کا شکار نہ ہو۔ تمام انسانوں کو ایک ماں باپ کی اولاد قرار دے کر نسل، رنگ اور زبان کی تفریق ختم کی گئی اور فضیلت کا معیار صرف تقویٰ رکھا گیا۔ پڑوسی کے حقوق، مہمان نوازی، مسکین و مسافر کی خدمت، امر بالمعروف اور اجتماعی ذمہ داری کے تصورات معاشرے کو ایک زندہ جسم کی طرح بنا دیتے ہیں جس کے ایک عضو کی تکلیف پورا جسم محسوس کرتا ہے۔ شریعت برادری کے ساتھ امن، اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت اور معاہدات کی پاسداری کا بھی حکم دیتی ہے۔ اس پہلو سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت کا معاشرہ خود غرض افراد کا ہجوم نہیں بلکہ حقوق و فرائض کا متوازن نیٹ ورک ہے۔

شریعت کا اخلاقی پہلو اور نتیجہ

اخلاقی پہلو شریعت کی روح ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد مکارمِ اخلاق کی تکمیل بتایا، اور قرآن نے آپ کے خلق کو خلقِ عظیم کہا۔ صدق، امانت، وفائے عہد، صبر، شکر، حیا، عفو و درگزر، سخاوت اور احسان جیسے اوصاف شریعت کے ہر حکم کے پس منظر میں موجود ہیں۔ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے، زکاۃ دل کو بخل سے پاک کرتی ہے، روزہ تقویٰ پیدا کرتا ہے اور حج مساوات سکھاتا ہے؛ یوں ہر قانونی حکم اخلاقی مقصد رکھتا ہے۔ شریعت میں اخلاق محض نصیحت نہیں بلکہ قانونی احکام سے جڑا ہوا نظام ہے، اسی لیے دھوکا دینے والا" ہم میں سے نہیں "کہا گیا اور ملاوٹ و خیانت کو قانونی جرم بھی قرار دیا گیا اور اخلاقی گناہ بھی۔ نتیجہ یہ ہے کہ شریعت اپنے مفہوم میں وحی کا واضح راستہ ہے، اپنی خصوصیات میں ربانی، جامع، عالمگیر، واقع بین اور متوازن ہے، اور اپنے قانونی، معاشرتی و اخلاقی پہلوؤں میں ایک ایسی مکمل زندگی فراہم کرتی ہے جس کا مرکز عدل، رحمت اور انسان کی فلاح ہے، اور یہی وہ پس منظر ہے جس میں مقاصدِ شریعہ سمجھے جاتے ہیں۔

سوال نمبر :5 احکامِ شریعت میں پوشیدہ حکمتیں اور مقاصد — قرآنی تعلیمات کی روشنی میں 20) نمبر(

سوال نمبر5 ۔ شریعتِ اسلامیہ کے احکام میں پوشیدہ حکمتیں اور مقاصد کون سے ہیں؟ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ان کی وضاحت کریں۔(20)

تعارف

شریعت کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہے، اس کے احکام یا تو بندوں کی دنیوی و اخروی مصلحت کے حصول کے لیے ہیں یا کسی مفسدے اور نقصان کو دور کرنے کے لیے۔ علماء نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے کہ شریعت اپنی تمام تر تفصیلات میں یا مصلحت کو لانے کے لیے آئی ہے یا مفسدے کو دفع کرنے کے لیے؛ امام ابن قیم نے فرمایا کہ شریعت کی بنیاد اور اس کا محور بندوں کے مصالح کی رعایت ہے اور یہ سراسر عدل، رحمت، مصلحت اور حکمت ہے۔ اس سوال میں ان پوشیدہ حکمتوں اور مقاصد کو قرآنی تعلیمات کی روشنی میں بیان کیا جائے گا۔ اس سے پہلے ایک اصولی فرق سمجھنا ضروری ہے :علت اور حکمت میں فرق ہوتا ہے۔ علت وہ ظاہری وصف ہے جس پر حکم کا مدار ہوتا ہے، جیسے سفر رمضان کی رخصت کی علت ہے؛ حکمت اس حکم کے پیچھے چھپی مصلحت ہے، جیسے سفر کی مشقت کا دور ہونا۔ حکمت کی تلاش عبادت کی محبت بڑھاتی ہے، البتہ حکم کی پابندی حکمت سمجھ آنے پر موقوف نہیں؛ مسلمان پہلے اطاعت کرتا ہے اور ساتھ حکمت کو جاننے کی کوشش بھی کرتا ہے۔

عمومی مقاصد :عدل، رحمت اور آسانی

قرآنِ مجید نے احکام کے عمومی مقاصد خود بیان کیے ہیں۔ رسولوں کی بعثت کا مقصد یہ بتایا گیا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ نماز و روزے وغیرہ کے بارے میں فرمایا گیا کہ اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے، تنگی نہیں چاہتا۔ ان تین اصولوں، عدل، رحمت اور آسانی، کو سامنے رکھا جائے تو ہر حکم کی حکمت سمجھنے کی کنجی مل جاتی ہے :کوئی حکم ظالمانہ نہیں ہوسکتا، کوئی حکم بے مقصد تکلیف نہیں ہوسکتا، اور کوئی حکم انسان کو رحمت سے محروم کرنے کے لیے نہیں آیا۔ اسی طرح احکام کا ایک بڑا مقصد

تزکیہ یعنی انسان کی اندرونی پاکیزگی ہے :زکاۃ کے بارے میں فرمایا گیا کہ ان کے مال میں سے صدقہ لو تاکہ تم انہیں پاک و صاف کردو۔ تزکیہ، تقویٰ، شکر اور ذکر جیسی قرآنی اصطلاحات درحقیقت احکام کے روحانی مقاصد کی فہرست ہیں جن کے بغیر ظاہری عمل بے روح رہ جاتا ہے۔

عبادات میں پوشیدہ حکمتیں

عبادات کے مقاصد قرآن نے بڑی صراحت سے بیان کیے ہیں نماز کے بارے میں فرمایا گیا کہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے؛ یعنی نماز کی حکمت اخلاقی اصلاح اور خدا سے مسلسل تعلق ہے۔ روزے کی فرضیت کے ساتھ ہی اس کا مقصد بتا دیا گیا :تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ؛ روزہ نفس کی تربیت، بھوکوں کا احساس، صبر کی مشق اور صحت کی رعایت جیسی حکمتیں اپنے اندر رکھتا ہے زکاۃ کا مقصد مال کی پاکیزگی، غریب کی کفالت، مال دار کے دل سے بخل کا خاتمہ اور دولت کی گردش ہے۔ حج کے بارے میں فرمایا گیا کہ لوگ اس میں اپنے فوائد مشاہدہ کریں؛ حج مساوات، اجتماعیت، قربانی کے جذبے اور عالمی بھائی چارے کی عملی تربیت ہے۔ ذکر، دعا اور تلاوت کے احکام دل کو زندہ رکھنے کے لیے ہیں، کیونکہ قرآن کے مطابق دلوں کا اطمینان اللہ کے ذکر ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ یوں ہر عبادت ایک تربیتی نظام ہے جس کا نشانہ انسان کی شخصیت کی تعمیر ہے۔

معاملات و معاشرتی احکام کی حکمتیں

مالی معاملات میں شریعت کی حکمتیں اجتماعی انصاف سے جڑی ہیں۔ سود کی حرمت کی حکمت یہ ہے کہ مال محنت کے بغیر چند ہاتھوں میں نہ سمٹے اور غریب کا استحصال نہ ہو؛ قرآن نے سود کو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے مترادف قرار دے کر اس کی سنگینی واضح کردی، اور اس کے مقابل صدقے کو بڑھنے والا قرار دیا۔ زکاۃ اور میراث کے قوانین دولت کی تقسیم کو وسیع کرتے ہیں :میراث میں عورتوں، بچوں اور والدین سمیت کئی وارثوں کو حصہ ملتا ہے، جس سے دولت خاندان بھر میں پھیلتی ہے۔ نکاح و طلاق کے احکام کی حکمت خاندان کا تحفظ، نسل کی پاکیزگی اور فریقین کے حقوق کا توازن ہے؛ یہی وجہ ہے کہ طلاق کو ناپسندیدہ ہوتے ہوئے بھی ایک منظم قانونی راستے کے طور پر رکھا گیا اور عورت کے لیے خلع و عدت جیسے تحفظات مقرر ہوئے۔ قصاص کی حکمت جانوں کی حفاظت پہلے بیان ہوچکی ہے اور قرآن نے اسے

زندگی کا ذریعہ کہا ہے۔ دستاویز و گواہی کے احکام کی حکمت تنازعات کی پیشگی روک تھام ہے۔ یوں معاشرتی احکام کا مقصد ایک پرامن، منصفانہ اور با اعتماد معاشرہ قائم کرنا ہے۔

اخلاقی و روحانی احکام کی حکمتیں اور حدود کی حکمت

اخلاقی احکام کی حکمتیں معاشرے کے اعتماد کو قائم رکھتی ہیں۔ سچائی، امانت داری اور وعدے کی پابندی سے تجارت و تعلقات چلتے ہیں؛ جھوٹ، غیبت اور بدگمانی کی ممانعت سے دل جڑتے ہیں اور فتنے کم ہوتے ہیں۔ والدین کے ساتھ احسان کا حکم نسلوں کے احترام کو برقرار رکھتا ہے۔ حدود و تعزیرات کی حکمت بھی اسی پس منظر میں سمجھی جائے :ان کا مقصد انتقام نہیں بلکہ ردع یعنی جرم کی روک تھام اور معاشرے کی حفاظت ہے، جیسا کہ فقہاء کہتے ہیں کہ حدود جرائم سے روکنے کے لیے مشروع ہیں۔ اسی لیے شریعت نے حد کے ثبوت میں انتہائی سخت شرائط رکھیں اور شبہ پڑنے پر حد کو ساقط کردیا، اور سزا کو عدالت کے بغیر نافذ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ ان احکام میں رحمت کا پہلو یہ ہے کہ ایک جرم کی سزا سینکڑوں ممکنہ جرائم کو روک دیتی ہے اور یوں کمزوروں کے مال و جان و آبرو محفوظ ہوتے ہیں۔ مقاصد کا یہ توازن، یعنی ایک طرف جرم کی روک تھام اور دوسری طرف مظلوم و ملزم دونوں کے ساتھ انصاف، شریعت کی حکمت کی روشن مثال ہے۔

عصری اہمیت اور نتیجہ

آج کے دور میں احکام کی حکمتوں کو سمجھنا دو وجہ سے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ جدید ذہن ہر حکم کی وجہ پوچھتا ہے، اور مقاصد و حکم کی روشنی میں دین کی پیشکش زیادہ بامعنی ہوجاتی ہے۔ دوسرا یہ کہ نئے مسائل، مثلاً جدید مالیات، طبی اخلاقیات اور ٹیکنالوجی کے احکام، کا حل مقاصد کی روشنی ہی میں اجتہاد سے نکلتا ہے۔ البتہ حکمت کی تلاش میں اعتدال ضروری ہے :جہاں قرآن و سنت نے خود حکمت بیان کردی وہاں وہ حتمی ہے، اور جہاں علماء نے اجتہاد سے حکمتیں بیان کی ہیں وہاں وہ ظنی و قابلِ غور ہیں؛ حکم کی اطاعت اس بحث سے متاثر نہیں ہوتی۔ نتیجہ یہ ہے کہ شریعت کے احکام میں عدل، رحمت، تزکیہ، تقویٰ، حفاظتِ جان و مال و عقل و نسل اور معاشرتی امن جیسے عظیم مقاصد پوشیدہ ہیں جن کی طرف قرآن خود بار بار اشارہ کرتا ہے۔ جو طالب علم ان مقاصد کو جان لیتا ہے اس کے لیے

احکام خشک قوانین کا مجموعہ نہیں رہتے بلکہ ایک زندہ، رحمت بھرا نظام بن جاتے ہیں اور اس کی اطاعت محبت و فہم کے ساتھ ادا ہوتی ہے۔

USMAN NOTES
www.usmannotes.com